مرزا عبدالقادر بیدل کی شعری جہات

پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف کمال

صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، بھکر

ابوالمعانی مرزا عبدالقادر بیدل (۱۶۴۴۔۵ دسمبر ۱۷۲۰ء) نے شاعری میں بھی طبع آزمائی کی اور نثر میں بھی رنگین و مقفع و مسجع نمونے پیش کیے۔ اس حوالے سے ان کی خودنوشت سوانح عمری ''چہار عنصر'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

بیدل کے شاگرد اور بعض ارادت مندے انھیں بہت اعلیٰ مقام کا حامل سمجھتے اور قرار دیتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اپنے زبردست قوتِ حافظہ اور تخلیقی جوہر کے سبب مخالفین کو شکست دی۔ انھیں کبھی کسی ادبی معالے یا شعری محاذ پر پسپائی اختیار نہیں کرنا پڑی۔ بقول خوشگو: بیدل کی زندگی میں ان کے حریفوں کو ہمیشہ خفت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ (۱)

ان کے ارادتمند بعض تو ایسے تھے جو انھیں شبلی و جنید کا ہم پایہ قرار دیتے تھے۔ (۲) اسی کی روشنی میں بیدل اپنے بارے میں ایک رباعی میں لکھتے ہیں:

بیدل بدو روزہ عمر مغرور مشو
بنیاد تو نیستی است معمور مشو
ہر چند ابدال وقطب و گوشت خوانند
اے خاک بایں غبار مسرور مشو

(بیدل زندگی کے جو یہ دن ملے ہیں اس پر غرور مت کر۔ تیری بنیاد تو نیستی پر ہے۔ آباد مت ہو۔ اگر چہ تجھے لوگ ابدال، قطب غوث سمجھیں۔ مٹی میں مل کر مٹی ہونے والے اس خاک پر غبار پر مت خوش ہو۔)

ان کے لکھے ہوئے اشعار کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ شروع میں انھوں نے رمزی تخلص اختیار کیا اور بعد میں بیدل تخلص کرنے لگے۔ جہاں دوسرے بے شمار شعراء کرام ان کے کلام کے دلدادہ ہیں وہاں غالب اور علامہ اقبال بھی ان کے فن شاعری کے معترف دکھائی دیتے ہیں۔ بیدل کی شاعری میں جہاں دوسرے بے شمار موضوعات ملتے ہیں وہاں ان کے ہاں تصوف کی شاعری بھی ہے جسے پڑھ کر حیات بخش تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ بقول خواجہ عباداللہ اختر:

”بیدل محض باتونی نہیں وہ انفس وآفاق کا مشاہدہ غائر نظر سے کرتا ہے اس کے کلام میں صرف شاعرانہ تخیل حسین الفاظ کے زیور سے آراستہ نہیں حکیمانہ تفکر بلند پایہ بھی ہے۔ یہ صرف دعویٰ نہیں، دلیل اس کا کلام ہے اگرچہ اس کے کلام کا موضوع وہ سب کچھ ہے جو زندگی کے ہر ایک شعبے میں مشاہدہ ہوتا ہے مگر ہم نے ایک خاص موضوع کو نمایاں کیا ہے اور یہ فلسفۂ خودی اور بیخودی ہے اسے ہمارے زمانے میں علامہ اقبال نے واضح کیا۔“(۳)

بیدل اس زندگی اور انسانی ہستی کی گتھی کو سلجھانے میں لگے رہے اور اس حوالے سے انھوں نے اقبال کی طرح سیاسیات اور معاشیات سے سروکار نہ رکھا بلکہ خود شناسی سے کام لیتے ہوئے اسرارِ کائنات اور رازِ ہستی تک پہنچنے کی کوشش کی۔

بیدل پہ ایک کابلی نامی صوفی کے گہرے اثرات تھے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے روحانیت کا سبق حاصل کیا اور مولانا رومی کی طرح وہ بھی اس صوفی کے کھو جانے کے بعد بے قرار رہے اور دو سال تک ویرانوں اور جنگلوں میں بھٹکتے رہے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے درویشی بھی اختیار کی۔

وہ لسانی حوالے سے شاعری کو معنی کے تابع قرار دیتے ہیں۔ وہ لفظی حسن پہ خاص طور پر توجہ دیتے۔ الفاظ کے استعمال میں وہ شعوری طور پر بہت محتاط رویہ اختیار کرتے۔

بیدل نے مختلف اصناف سخن غزل، مثنوی، قصیدہ، قطعہ، رباعی میں طبع آزمائی کی۔ اور ہر صنف میں اپنے کلام کو عروج تک پہنچایا۔ بیدل کے پسندیدہ موضوعات میں ریاضت و معرفت، تصوف، حق شناسی، خود شناسی، تصوف و عرفان ہیں۔ انھوں نے مختلف نکات اور اصطلاحات کی تشریحات سے بھی کام لیا۔

بیدل وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کے قائل نظر آتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ دونوں نظریے نتائج کے حوالے سے ایک ہی جیسے ہیں۔ کہیں کہیں وہ مولانا رومی کے خیالات سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ بقول سید احسن الظفر:

”بیدل کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ جمال مطلق تک رسائی اسی وقت ممکن ہے جب ”تعین“ کا لباس اتار کر اس کی ذات میں اس طرح گم ہو جائیں کہ اپنی ہستی کا احساس تک ہمارے صفحہ ذہن پر باقی نہ رہے کیونکہ وہ باقی ہے اور ہم فانی ہیں۔ فانی باقی تک کیونکر رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنے وجود کے اس رنگ کو مٹادیں اور 'اس ہستی' کے اندر کھو جائیں۔(۴)

وہ کئی جگہ اپنی بات کو تمثیلی انداز میں بھی بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

انھوں نے اپنی شاعری میں رموز و نکات کے لیے سبک ہندی کا استعمال کیا جسے سبک اصفہانی بھی کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بیدل کا اسلوب آسانی کے بجائے پیچیدگی کی طرف مائل ہے۔ بیدل ہی کے زیر اثر مرزا غالب کی شاعری میں بھی پیچیدہ خیالی، اور کثرت معنی کی خصوصیات ملتی ہیں۔

بقول مرزا غالب:

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا

اسد اللہ خاں قیامت ہے

مرزا غالب کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ بالخصوص ابتدا میں وہ مرزا عبدالقادر بیدل سے بڑے متاثر ہوئے۔ یہی نہیں بیدل کے دو مثنویوں ''طور معرفت'' اور ''محیط اعظم '' کے قلمی نسخے غالب کی ملکیت میں تھے۔ جو کہ اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہیں۔ ان پہ غالب کی مہر بھی لگی ہوئی ہے اور ''طور معرفت'' کی تعریف میں ان کا شعر بھی تحریر ہے۔(٦)

ازین صحیفہ بنوعِ ظہورِ معرفت است

کہ ذرہ ذرہ چراغان طور معرفت است

غالب نے بیدل کا مطالعہ کیا اور ان سے شعری وفکری فیض حاصل کیا۔ انھوں نے بیدل کی ان مثنویوں کو پڑھا ہی نہیں بلکہ ان سے اثرات بھی لیے۔

غالب کے درج ذیل شعر میں ''نورِ معرفت'' کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

غالب بیدل کی تخیل آفرینی، رنگین خیالی، چمن ایجادی، طرزِ بہاری اور تازہ گوئی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے:

اسد ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے

مجھے رنگِ بہار ایجادیِ بیدل پسند آیا

جہاں تک علامہ اقبال کا تعلق ہے تو علامہ اقبال بھی بیدل اور ان کے فکر وفن کے معترف نظر آتے ہیں۔

مرزا عبدالقادر بیدل کے حوالے سے علامہ اقبال کے ایک مضمون Bedil in the Light of Beergson (مطالعہ بیدل فکرِ برگساں کی روشنی میں) سے ان کی بیدل اور برگساں سے فکری روابط کی جھلک ملتی ہے۔ اقبال بیدل کے فلسفہ حیات سے متاثر تھے۔ اور اس حوالے سے انھوں نے بیدل اور غالب کا کئی جگہ فکری تقابل بھی کیا۔ اقبال یہ بھی جانتے تھے کہ بیدل کا شعری اسلوب جس طرح فارسی میں ہے اس طرح اردو میں رواج نہ پا سکا۔ اقبال کے خیال میں بیدل کی شاعری میں مشرقیت کی روح رواں دواں دکھائی دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے بیدل کے کئی اشعار کی تضمین بھی کی ہے جس سے ان کی بیدل شناسی کا سراغ ملتا ہے۔

بانگ درا میں ''مذہب'' کے عنوان سے شامل نظم میں اقبال بیدل کو مرشدِ کامل قرار دیتے ہیں۔ اقبال تصوف کے باب میں بھی بیدل کے تصوف کو سکون کی بجائے متحرک قرار دیتے ہیں۔(٧)

بیدل اور اقبال کے خیالات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔اسی فطری اور فکری مناسبت کی وجہ سے علامہ اقبال بیدل کے بڑے مداح تھے اور نوجوانوں کو بیدل کے مطالعے کی دعوت دیتے تھے۔کیونکہ ان کی نظم ونثر کا ایک ہی منتہائے مقصود تھا کہ انسان کواس کے مقام سے آگاہ کرکے اسے دوعالم کی سروری کے قابل بنایا جائے۔(۸)

حرکت اور جدو جہد بیدل کے کلام کا مرکزی خیال ہے۔اسی لیے وہ گوشہ نشینی اور ایک ہی جگہ پڑے رہنے کے بجائے حرکت اور جہد مسلسل کوانسانی زندگی کی ترقی کے لیے اہم سمجھتے ہیں۔

وہ عالمگیر قسم کی اخوت اور ہمدردی کے قائل ہیں۔ اور اس کے لیے انسان کے دل میں سوزوگداز ہونا بہت ضروری ہے۔وہ انسانوں کے لیے سنگ دلی کو برا سمجھتے ہیں۔افراط زر کو وہ اسی لیے اچھا نہیں سمجھتے کہ اس سے انسانی ہمدردی کے بجائے دولت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔دولت اور افراط زر کو وہ صرف اس شکل میں سراہتے ہیں کہ اس سے انسانوں کی مشکلات کے حل کے لیے استعمال کیا جائے اور دنیا کی فلاح و بہبود کو سامنے رکھا جائے۔نہ کہ اسے عیش پرستی اور انسانوں کے استحصال کے لیے حربے کے طور پر استعمال کیا جائے۔

بیدل خود شناسی کو خود گدازی کے ساتھ ملاکر پیش کرتے ہیں۔وہ خود شناسی کو چشم بصیرت اور کائنات کے رازوں کے انکشاف کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

جس طرح مولانا رومی نے اپنے خیالات کو پیش کرنے کے لیے بانسری کی تشبیہ کو استعمال کیا اسی طرح بیدل نے بھی زیادہ تر آئینہ کی تشبیہ استعمال کی ہے۔آئینہ جو صورت کی عکاسی کے بعد خود غائب ہوجاتا ہے۔بیدل اس دنیا کی پراسراریت، زندگی کے ظاہرو مخفی پہلوؤں اور کائنات کی ہزاروں لاکھوں رنگوں کو آئینے کی مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

منظور بتاں ہر کہ شود، حسرتس از ماست

یار آئینہ می بیندو،آبس دل ما

ترجمہ: محبوب کا مقصد جو بھی ہو، ان کی حسرت ہم ہیں۔میرا دوست آئینہ دیکھتا ہے اور ہمارا دل بھر آتا ہے۔

آئینہ ایک ایسی علامت ہے جسے بیدل تصوف کے باب میں حق اور سچائی کی دریافت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور ہر شے کو اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں سمیت ظاہر کر دیتا ہے۔

بیدل کی مثنوی ”طور معرفت“ بارہ سو اشعار پر مشتمل ہے جو کہ انھوں نے دو دن میں مکمل کی۔ جیسے جیسے پڑھتے ہیں تو لگتا ہے کہ اس مثنوی میں ان کا جوشِ بیاں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔بیدل خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں ہیں کہ ان کے احساسات اور کیفیات کے نجانے کتنے پہلو ابھی تشنہ ہیں جنھیں زبان کی حدود میں لاکر بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بیدل خود اپنے ایک رقعے میں اس مثنوی کو ”یک عالم چراغاں وصد ہزار گوہر معنی بداماں“ کہتے ہیں۔(۱۰)

'طور معرفت' یہ مثنوی انھوں نے میوات میں قیام کے دوران لکھی۔ اس مثنوی میں انھوں نے مناظر کے حسن و جمال، حسن آفرینی، دلکش منظر نگاری کے ساتھ ساتھ حقیقت اور معنی کی دریافتوں کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے اس مثنوی میں جزئیات نگاری سے بھی کام لیا ہے۔ جس کی وجہ سے شاعری کی لطافت، گل خیزی اور تبسم آفرینی دوچند ہوگئی ہے۔ کہیں بادل گھرے ہوئے ہیں، کہیں بارش کے قطرے رم جھم کر رہے ہیں۔ کہیں قوسِ قزح اور کہیں شفق آسمان کو سنہراپن عطا کر کے جنت نگاہی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے الفاظ کی طلسم نگاری سے خشت و سفال اور پتھروں کو بھی لازوال حسن بخش کے ذوقِ جمال سے مرقعِ حسن بنا دیا ہے۔ یہاں احساسِ جمال اور حسنِ تخیل کا کامل ادراک ملتا ہے۔

بیدل کی شاعری میں جس قسم کی تشبیہات، علامات اور استعارات کا ذکر ملتا ہے وہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت کے نمونے ملتے ہیں۔ بیدل کی شاعری معنی آفرینی کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ لفظوں سے نئے نئے معنی پیدا نے کے وصف سے مزین تھے۔

اس مثنوی میں انھوں نے اسرا کائنات کا ذکر کرتے ہوئے وحدت کو اس کی جزئیات سمیت بیان کیا ہے۔ اس نے اپنے فن شاعری کے ذریعے زندگی کو اس کے مختلف جلووں سمیت آشکار کیا ہے۔ وہ تخلیق کائنات اور اس کی ہمہ گیری و ہمہ رنگی کو جس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں وہ قابلِ رشک ہے۔

وہ خودشناسی کو سربستہ رازوں سے پردہ اٹھانے کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔

معمائی معمائی معما

اگر خواہی کشودن چشم بہ کشا

وہ دیکھنے والی آنکھ کے لیے رازوں کے منکشف ہونے کی بات کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ عالم گیر سطح پر جنونِ عشق کی افادیت سے واقف ہیں۔

بیدل کی اس مثنوی میں زر پرستی کے مضمرات، انسان کی قدر و قیمت، امرا کی سنگ دلی، گوشہ نشینی کے بجائے عمل اور جہدِ مسلسل، مسائل تصوف، انسان کا وصفِ خود آگاہی جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

بیدل دراصل اس کائنات اور اس کے اسرار کو سمجھنے کے لیے صرف نگاہِ شوق کی موجودگی ہی کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دلِ بے تاب کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ جنونِ عشق کو اس کائنات کی رنگینیوں کو سمجھنے کے لیے اس کی جاذبیت اور اس کی افادیت کے قائل ہیں۔

وہ لالچ، حرص کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ اسے پست قسم کی چیز قرار دیتے ہیں۔ ان کی شاعری اعلیٰ اقدار اور اخلاق کی شاعری ہے۔

بیدل کا تخیل نادر اور کمیاب ہے۔ اس کے شعری اسلوب میں ندرت و دلکشی ملتی ہے۔ ان کی مثنوی طور معرفت کو پڑھ کر ان کے احساس جمال کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کے ذوق، لطافت کا بھی۔ وہ احساس جمال کے لیے جسمانیت کے بجائے حسین و جمیل روح کی طرف ملتفت ہونا پسند کرتے ہیں۔ اور اس حوالے سے وہ اس کائنات اور اس میں موجود مظاہر فطرت کی حسن پروری سے متاثر ہوتے ہیں۔

بیدل کی غزل بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ ان کا ذہن رسا جب طبع رواں سے ملتا ہے تو تخیل کے نئے نئے شگوفے کھلاتا ہے۔

اپنی شاعرانہ اسلوب کے حوالے سے بیدل لکھتا ہے:

مباش غافل از انداز شعر بیدل ما
شنیدنی است نوائی کہ کم نواختہ اند

بیدل کی شاعری کے اسلوب سے غفلت نہیں برتو۔ اس لے میں بہت کم لوگ نغمہ سرائی کرتے ہیں وہ سننے کی چیز ہے۔

بیدل کی شاعری میں زیادہ کمال لفظوں کے برتاؤ کا ہے جو وہ استعمال کرنے کا ہنر بدرجہ احسن جانتے ہیں۔

بیدل کی کیا غزل، کیا مثنوی، کیا قصیدہ اور کیا دیگر اصناف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے منتخب، رنگیں اور خوش آہنگ الفاظ کے انتخاب میں مخصوص ذوق اور مہارت کا ثبوت دیا ہے جیسے وہ ان الفاظ کی روح، مزاج اور محل استعمال سے پوری طرح واقف ہو۔ ایک لفظ مختلف مقامات میں استعمال ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اس کی روح، مزاج، محل استعمال اور کیفیت استعمال سے پوری طرح واقف نہیں ہے تو وہ سابق ولاحق الفاظ کی قطار میں اس کے حسن وزیبائی کو مشکل سے نبھا سکتا ہے فصاحت وبلاغت کی یہ ایک لازمی شرط ہے۔"(۱۱)

بیدل اپنی غزلوں، مثنویوں اور قصیدوں میں لطافت اور فصاحت پیدا کرنے کا ہنر جانتا ہے۔ وہ الفاظ کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ ہے۔ اسی لیے دیکھ بھال کر لفظوں کا انتخاب کرتا ہے۔ ان کے خیال میں ہر لفظ اپنی اپنی جگہ منفرد خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اور دوسرے لفظ کے مماثل اور مترادف نہیں ہوتا۔ اس کی جداگانہ شناخت اور مزاج ہی اس کے استعمال اور معنی کو منفرد ظاہر کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ بندرابن داس خوشگو، سفینۂ خوشگو دفتر ثالث، پٹنہ، لیتھیو پریس، ص۱۱۷،۱۱۶

۲۔ ایضا، ص۱۱۵

۳۔ عرض حال، بیدل از خواجہ عباداللہ اختر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع سوم ۱۹۸۸ء، ص ۳

۴۔ مرزا عبدالقادر بیدل۔ حیات اور کارنامے، جلد دوم، رام پور، رام پور رضا لائبریری، ۲۰۰۹، ص ۴۷۶

۵۔ دیوان غالب (اردو)، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۳۵

۶۔ عبدالمغنی ‘ڈاکٹر، روحِ بیدل، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۷،۱۳۶

۷۔ مطالعہ بیدل فکر برگساں کی روشنی میں تصنیف علامہ اقبال، ترتیب و ترجمہ ڈاکٹر تحسین فراقی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۵۵ء طبع دوم، ص ۸

۸۔ عبدالمغنی ‘ڈاکٹر، روحِ بیدل، ص ۱۵۸

۹۔ بیدل، کلیات دیوان بیدل (با مقدمہ حسین آہی) نشر فروغی، ۱۳۶۶ ش، ص ۱۳۵

۱۰۔ عبدالمغنی ‘ڈاکٹر، روحِ بیدل، ص ۱۴۴

۱۱۔ احسن الظفر ‘سید، ڈاکٹر، مرزا عبدالقادر بیدل کے حیات اور کارنامے، جلد دوم، رام پور، رام پور رضا لائبریری، ۲۰۰۹ء، ص ۹۹

***